جمہوریت کی بین اور موروثی سانپ

تحریر: سہیل احمد لون

بریگزٹ مادر جمہوریت برطانیہ کے اب تک دو وزرائے اعظم نگل چکا ہے اور اب بورس جانسن یا جیرمی ہنٹ 10 ڈاؤننگ سٹریٹ کے نئے مکین بننے جا رہے ہیں۔ گزشتہ ماہ جب تھریسا مئے نے اپنا عہدہ چھوڑنے کا اعلان کیا تھا تو وزیر اعظم اور پارٹی کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے گیارہ امیدوار میدان میں اترے تھے۔ سیمی فائنل تک ساجد جاوید اور مائیکل گوو نے بھی رسائی حاصل کی مگر فائنل میں بورس جانسن اور جیرمی ہنٹ کے درمیان مقابلہ جاری ہے جس کا فیصلہ 22 جولائی تک ان گراس روٹ ورکرز کے ووٹ سے ہوگا جو پارٹی کو سالانہ کم از کم پچیس پاؤنڈ ممبر شپ فیس دیتے ہیں۔ موجودہ سیاسی جماعتوں میں کنزویٹو پارٹی برطانیہ کی سب سے پرانی پارٹی ہے جسے Robert Peel نے 1830ء میں تشکیل دیا تھا وہ کنزویٹو پارٹی کے پہلے وزیر اعظم بھی بنے۔ برطانیہ کی دوسری بڑی سیاسی جماعت لیبر ہے جو Keir Hardie نے 1900ء میں بنائی۔ اس وقت جیرمی کوربن لیبر پارٹی کی قیادت کر رہے ہیں۔ 2015ء میں ایڈ ملی بینڈ کے جانے بعد جیرمی کوربن کو بھی جمہوری طریقے سے پارٹی کا سربراہ چنا گیا تھا۔ بورس جانسن لندن کے میئر رہنے کی وجہ سے عوام میں پہلے سے مقبول تھے مگر جیرمی کوربن عوام میں اتنے مقبول بھی نہیں تھے مگر جمہوری طریقے سے منتخب ہونے میں بعض اوقات مقبولیت سے زیادہ محبوبیت کام کر جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں جمہوریت کی صرف بین بجائی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں جمہوریت پسندوں کے بجائے جمہوری سانپ نکل کر قوم کے مستقبل کو یا ڈس لیتے ہیں یا پھر نگل جاتے ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت مسلم لیگ بڑی سیاسی جماعت تھی اس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے 1967ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھ کر دوسری بڑی سیاسی جماعت بنائی۔ وقت کیساتھ مسلم لیگ کے بخرے سلطنت عثمانیہ کی خلافت سے بھی زیادہ ہو گئے مسلم لیگ کی ہر شاخ کیساتھ شخصی مہر لگا دی گئی جیسے نون، ق، ف، ج، ض وغیرہ یہ قطعی جمہوری عمل نہیں ہوتا کہ سیاسی جماعت کے ساتھ کسی شخص کا نام لگا دیا جائے اس کی مثال کسی بھی جمہوری ملک میں نہیں ملتی۔ جہاں خالص جمہوریت ہوتی ہے وہاں کسی سیاسی جماعت کے بانی کے بعد جماعت کی سربراہی جمہوری طریقے سے منتقل کی جاتی ہے اسکے لیے پارٹی کے بانی کا بیٹا، بیٹی، بیوی، یا خاوند ہونا شرط نہیں ہوتی۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں سیاستدان اپنے نااہل بچوں کو سیاست میں لانے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔ عظیم فلسفی اور مورخ ابن خلدون کے نزدیک جس طرح انسان بچپن، جوانی اور ضعیفی کے مدارج سے گزرتا ہے۔ اسی طرح قومیں بھی ان مراحل سے گزرتی ہیں اور یہ مدارج عموماً تین نسلوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ قوموں کے عروج کے بعد قوموں کی ضعیفی یا زوال لازمی ہے لیکن اس کی وجہ ذہنی انتشار بھی ہے اور معاشی کشمکش بھی۔ قوموں کے عروج، سالمیت اور فلاح کی بنیاد ''عصبیت'' پر رکھی گئی ہے۔ عصبیت سے مراد وہ قوت ہے جو کسی قوم میں محبت، یگانگت اور یک جہتی کے شدید احساسات پیدا کر کے اسے منظم رکھتی ہے۔ اس عصبیت کو قائم رکھنے میں مذہب اور دیگر فکری اور تہذیبی عناصر اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم کچھ معاشی اسباب ایسے

بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے قوم کی عصبیت متاثر ہوتی ہے۔ جب کسی قوم کا برسر اقتدار گروہ ملک کے بیشتر وسائل پر قبضہ کر لیتا ہے تو دیگر طبقات میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ حاکم گروہ کے ساتھ متصادم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح محنت کش طبقے کی عصبیت حاکم گروہ کی عصبیت سے ٹکرا جاتی ہے۔ دونوں کے درمیان عدم تعاون شروع ہو جاتا ہے۔ یوں بحیثیت مجموعی قوم کی عصبیت یا دوسرے الفاظ میں قوم کی سالمیت پر شدید ضرب پڑتی ہے۔ جس کا نتیجہ قوم کی شکست وزوال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر ہم تاریخ کے مختلف ادوار کا جائزہ لیں تو ابن خلدون کے اس نظریے میں کافی صداقت نظر آتی ہے۔ برصغیر میں مغلیہ سلطنت نے بھی یہ تینوں ادوار دیکھے۔ جہاں ظہیر الدین بابر کے ابتدائی ادوار کو بچپن اور اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کے ادوار کو جوانی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس میں مغلوں کا عروج تھا۔ اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کے دور سے زوال آنا شروع ہو گیا۔ یعنی اس قوم کا بڑھاپا شروع ہو گیا۔ زوال سے مراد کسی بھی قوم کی وہ حالت ہے جب وہ شکست کی منزل سے گزرنے کے بعد پستی کی اس سطح پر پہنچ جائے جہاں وہ اپنے وجود کے لیے دوسری قوموں کی محتاج ہو جائے۔ اس کی خود ارادیت بہت کم رہ جائے۔ بیشتر اہم فیصلے کرنے میں دیگر اقوام سے حکم وہدایت حاصل کرنے لے لیے مجبور ہو۔ معاشی، سیاسی اور سماجی حیثیت سے دوسری قوموں کی دست نگر ہو اور اس طرح تخلیقی، علمی اور فنی صلاحیتوں سے تقریباً محروم ہو جائے۔ اس سطح پر روحانی اور اخلاقی اقدار کا ذکر کرنا لا حاصل ہے۔ کیونکہ ایک زوال رسیدہ قوم، جو اپنی اخلاقی اقدار کی امانت کو زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ اگر ہم ان نشانیوں پر غور کریں تو یہ سب پاکستانی قوم میں موجود ہیں جو سبک رفتاری سے پستی کے منازل طے کرتی ہوئی زوال پزیر ہو رہی ہے۔ بدقسمتی سے ہم نے تو عروج سے پہلے ہی زوال میں قدم رکھ دیا ہے۔ اسی خطے میں مغلوں نے ایک عرصہ راج کیا تھا۔ انکے زوال کی جو وجوہات بنیں ان میں سب سے زیادہ بڑی وجہ معاشی بدحالی تھی۔ جو اندرونی اور بیرونی جنگوں کی وجہ سے ظہور میں آئی۔ اندرونی جنگیں اکثر اقتدار کے حصول کے لیے لڑیں گئیں کیونکہ انہوں نے جانشین مقرر کرنے کے لیے کوئی واضح قانون نہیں بنایا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد جانشین کمزور سے کمزور ترین ہوتے گئے۔ مگر اقتدار کی فاختہ ہمیشہ مخصوص خاندان کے سر پر بیٹھی۔ اسی موروثیت کی وجہ سے کچھ اندرونی طاقتوں کا ظہور ہوا اور ساتھ بیرونی طاقتوں کی مداخلت بھی شروع ہو گئی۔ افواج بھی اخلاقی پستی کا شکار تھیں جس کی وجہ سے ان کی عظیم سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس سونے چڑیا کو فرنگی پنجرے میں قید کر دیا گیا۔ جس کو آزاد کروانے کے لیے ہمارے بڑوں نے جان کی قربانیاں دیں۔ بدقسمتی سے گورے تو اس چڑیا کو آزاد کر گئے مگر جاتے ہوئے کچھ مسٹر براون چھوڑ گئے۔ جو آج تک اس کے پر نوچ رہے ہیں۔ چند خاندانوں پر مشتمل مسٹر براونز کا یہ ٹولہ قیام پاکستان سے آج تک کسی نہ کسی طریقے سے غریب عوام کا استحصال کر رہا ہے۔ اپنے پاؤں مضبوط کرنے کے لیے مخلص اور دیانتدار لوگوں کو ایوانوں سے فارغ کیا اس کے لیے اگر کسی کو قتل بھی کرنا پڑا تو دریغ نہ کیا اور ضرورت پڑنے پر اپنی طرح کی سوچ رکھنے والوں کو اپنے گروہ میں شامل کیا گیا۔ کبھی غریب عوام کو جمہوریت کے نام سے لوٹا گیا، کبھی کوئی بوٹوں والا عوام کو ٹوپی پہنا کر اپنی طلسمی چھڑی گھماتا رہا، کبھی اسلام کے نام سے، بیوقوف بنایا گیا، کبھی روشن خیالی کا جھانسہ دیا گیا تو کبھی مفاہمت کے نام کو بدنام کیا گیا۔ مگر اندر سے یہ سب ایک ہی ایجنڈے پر کام کرتے رہے۔ مغلیہ شہزادوں کی طرح خود تو عیاشی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اقتدار کے ایوانوں میں رہنا اپنا حق سمجھتے ہیں چاہے وہ اس کے اہل ہوں نہ ہوں!! مغل شہنشاہ کم از کم جمہوریت کا نعرہ نہیں لگاتے تھے۔

ادھر تو حالت یہ ہے کہ ڈکٹیٹر بھی اپنے آپ کو جمہوریت کا علمبردار کہتا ہے۔ جب تک صحافت کی قلم ایوان بالا میں بیٹھے لوگوں کی منشاء کی روشنائی سے چلتی رہی لوگوں کو سارے حقائق کا علم نہ تھا۔ آج کیمرے کی آنکھ کے آگے حقیقت بتانے والی زبان بھی ہے جو عوام کو موجودہ حالات سے باخبر رکھنے میں اہم کردار ادا کررہی ہے۔ اب عوام کا کام ہے کہ بار بار کے چلے ہوئے کارتوس پر بھروسہ کرنا ہے یا کسی اور کو موقع دینا ہے۔ اس موروثی سیاست نے آج تک پاکستان کو کیا دیا ہے؟ دو ٹکڑے تو کردیا اور باقی کو یہ مل کر کھا رہے ہیں......!!!

میاں صاحب کو ملک کی سب سے بڑی عدالت نے نااہل کیا تو انکو بلا مقابلہ پارٹی کا تاحیات قائد نامزد کردیا گیا میاں صاحب جیل گئے ہیں تو انکی دختر نے سیاسی جماعت کی کمانڈ سنبھال لی ہے۔ بلاول زرداری بھی بلاول ''بھٹو'' بن کر پارٹی کے چیئرمین بن گئے ہیں اس سے قبل یہ چیئرمین شپ انکے والد صاحب کو محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد ''وصیت'' کی ذریعہ نصیب ہوئی تھی۔ ادھر تو زرداری سے بھٹو بنا پڑا مگر کچھ تو ایسے ہیں جن کو اپنے نام کے ساتھ شریف، الہی، گیلانی مخدوم وغیرہ لگا دیکھ کر ہی اپنے آپ کو حاکم اعلی تصور کرنا شروع کردیا ہے۔ اگر ان موروثی سیاستدانوں سے اس زمرے میں بات کی جائے تو وہ دنیا کے دوسرے ممالک کی مثالیں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ کبھی کسی ملک کو موروثی سیاست نے کبھی ترقی کے زینے پر نہیں چڑھایا۔ بھارت میں بھی گاندھی خاندان کے بعد ہی ترقی کرنا شروع کی ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبہ جات میں بھی موروثیت کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سپورٹس، فن ولطیفہ اور فوج وغیرہ میں بھی یہ سلسلہ چلتا ہے۔ مگر اس میں جانشین کا ٹیلنٹ اس کو اس مقام پر فائز رکھتا ہے۔ اگر کھلاڑی اچھا نہ کھیلے تو چاہے وہ گواسکر کا بیٹا ہو یا عبدلقادر کا ٹیم میں نہیں ٹک سکتا...... بیٹا وحید مراد کا ہو یا سلطان راہی کا اگر شائقین کو متاثر نہ کرسکے گا تو اس کو بھی کوئی اور کام ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ مگر سیاست میں ایسا نہیں ہوتا بس شجرہ نسب سیاسی ہو باقی اہلیت کی پرواکون کرتا ہے؟ ملکی معاملات تو ویسے بھی زوال پزیر قوم کے کوئی اور ہی چلاتا ہے۔ تو اپنی باری لینے میں کیا حرج ہے؟ کپڑا پاٹناں ایں مالکاں دا تے تو بی دی کی جانی این چھو......! اب اس میں قصوروار عوام ہی ہے جو سب کچھ جان کر بھی جان بچانا نہیں چاہتے۔ اسی لیے تو یہ موروثی سیاست دان کھلے عام کہتے ہیں کہ ہم کو جنھوں نے اپنے اوپر مسلط کیا ہے انکو اب برداشت کرنا ہوگا لیکن یہ سوال ہمیں اپنے آپ سے کرتے رہنا چاہیے کہ کیا جمہوریت میں موروثیت ہوتی ہے یا اہلیت؟ آج اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو کیا ہماری عوام کو اپنی صلاحیتوں کی مساوی نشوونما کا مساوی موقع دیا جارہا ہے؟ کیا کسی غریب میں سیاسی بصیرت نہیں ہوسکتی؟ کیا ایک عام شہری اقتدار کے ایوانوں میں آکر ملکی معاملات کو سنوارنے میں مددگار ثابت نہیں ہوسکتا؟ ملک میں حقیقی تبدیلی اس وقت آئے گی جب ہم موروثی سیاست کے اس قلعے کا تالہ توڑنے میں کامیاب ہونگے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ موروثی سیاست نے آج تک ملک کو کیا دیا ہے؟ ملک کو بلوغت سے سیدھا بڑھاپے میں دھکیل دیا، ہر دور پہلے دور سے بدتر لگتا ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

sohailloun@gmail.com

22-06-2019